1

نماز خدا تعالیٰ سے باتیں کرنے کا ذریعہ ہے

(فرمودہ 2 جنوری 1948ء بمقام رتن باغ لاہور)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"پہلے تو مَیں نظارت تعلیم و تربیت کو اور ساتھ ہی صدر انجمن احمدیہ کو بھی ایک ایسے امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جس کی طرف اُن کا ذہن جانا چاہیے تھا مگر گیا نہیں۔ ہمارے ملک کے لوگوں کی یہ بدقسمتی ہے کہ وہ ہر کام کے متعلق اُس کام کا وقت گزر جانے کے بعد سوچا کرتے ہیں۔ مسلمان ہمیشہ اِس بات پر ہنسا کرتے ہیں کہ سکھ پہلے کام کرتا ہے اور بعد میں سوچتا ہے۔ لیکن نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان بالکل سوچتا ہی نہیں۔ پہلے تو وہ بالکل غافل ہو کر سویا رہتا ہے اور جب مصیبت اُس کے سر پر آ کھڑی ہوتی ہے تب وہ سوچنا شروع کرتا ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ حالانکہ سوچنے کا اصل وقت ماضی کی لپیٹ میں آ چکا ہوتا ہے۔ اب دیکھ لو ہر شخص جانتا تھا کہ مشرقی پنجاب اور دوسرے علاقوں سے مہاجرین آئیں گے اور سردی کے ایام میں آئیں گے اور ساتھ ہی یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ان مہاجرین کو فوراً ہی ٹھکانوں پر نہیں پہنچایا جا سکے گا اور ان کے لیے کمبلوں اور لحافوں کی فوری طور پر ضرورت ہوگی۔ لیکن مجھے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ افسرانِ متعلقہ کو کمبلوں اور لحافوں کا خیال 15 دسمبر کے بعد پیدا ہوا اور یہ وقت خیال پیدا ہونے کا نہ تھا بلکہ مہاجرین کو کمبل

اور لحاف مہیّا کرنے کا تھا۔ اِسی طرح مجھے نظر آ رہا ہے کہ اب نیا سال شروع ہو چکا ہے اور دو یا اڑھائی ماہ کے بعد گرمی کے آثار شروع ہو جائیں گے اور جمعہ کی نماز کے وقت لوگ دھوپ میں نہیں بیٹھ سکیں گے۔ اور چونکہ ہر چیز کی تیاری کے لیے ایک خاص وقت ہوتا ہے اِس لیے صدر انجمن احمدیہ اور تعلیم وتربیت کے افسران کا یہ فرض تھا کہ ابھی سے اس کام کے متعلق سوچتے کہ مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے بھی سائبانوں کا کوئی انتظام ہونا چاہیے۔ مگر ابھی تک انہوں نے اِس امر کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ پس آج مَیں ان کو توجہ دلاتا ہوں کہ ضرورت کے ایام سے پیشتر ہی سائبانوں کا انتظام کر لیں۔ میرے خیال میں سائبان نئے بنوا لینے چاہییں۔ وہ اچھے بھی ہوں گے اور سستے بھی رہیں گے۔ لیکن چونکہ سائبان نئے تیار کرانے میں دو یا تین ماہ لگ جائیں گے اس لیے ابھی سے نئے سائبانوں کے لیے آرڈر دے دینا چاہیے۔ یہ ایک نہایت ضروری کام تھا جس کی طرف اگر آج مَیں توجہ نہ دلاتا تو بظاہر یہی آثار نظر آ رہے تھے کہ اپریل یا مئی کے مہینہ میں ناظر ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر سنجیدگی کے ساتھ کہتے کہ اب سائبانوں کے لیے کوئی انتظام کرنا چاہیے اور شاید اگست یا ستمبر تک جا کر سائبان تیار ہوتے۔ مگر مَیں نے آج اُنہیں متنبہ کر دیا ہے کہ سائبان تیار ہونے میں دو یا تین مہینے لگیں گے اور اتنے عرصہ تک گرمی بھی آ جائے گی۔ اس لیے آج ہی اُتنے سائبانوں کے لیے آرڈر دے دیا جائے جتنے سائبانوں سے عورتوں پر بھی سایہ ہو سکے اور مردوں پر بھی ہو سکے۔ اِس خیال میں نہیں رہنا چاہیے کہ ہم کرایہ پر سائبان لے لیں گے کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جو ہمیشہ کام آنے والی ہے۔ اور جو چیز ہمیشہ کام آنے والی ہو اُس کے لیے کرایہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جمعہ بھی ہمیشہ آتا رہے گا اور گرمیاں بھی ہر سال آتی رہیں گی۔ اگر اللہ تعالیٰ کا منشا ہمیں دیر کے بعد قادیان واپس لے جانے کا ہے تو ہم جہاں رہیں گے سائبان ہمارے کام آئیں گے۔ اگر ہم نے یہیں رہنا ہے تو یہاں بھی ہر سال گرمی آتی رہے گی۔ اور اگر ہم نے کسی اَور جگہ رہنا ہے تو وہاں بھی گرمی آتی رہے گی۔ اور اگر ہم خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے جلدی قادیان واپس چلے گئے تو بھی سائبان ہمارے کام آئیں گے۔ پس ابھی سے سائبان تیار کرانے کا انتظام شروع ہو جانا چاہیے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی نوٹ کر لینی چاہیے کہ ہر ضرورت کے لیے اُس کے پیش آنے سے پیشتر سوچ لینا ہی فائدہ دیا کرتا ہے۔ یوں تو ہر شخص گرمی کے ایام میں گرمی محسوس کرتا ہے اور سردی کے ایام میں سردی محسوس کرتا ہے۔ مگر عقلمند وہ ہوتا ہے

جو سردی کی ضروریات کے لیے گرمی کے ایام میں ہی تیاری شروع کر دے اور گرمی کے ایام کی ضروریات کے لیے سردی کے ایام میں ہی تیاری شروع کر دے۔

یہ جمعہ جس کے خطبہ کے لیے آج مَیں کھڑا ہوا ہوں یہ 1948ء کا پہلا جمعہ ہے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے 1944ء میں مجھے ایک رؤیا میں بتایا تھا یہ سال اپنے اندر نئی نئی امیدیں رکھتا ہے۔ اُس رؤیا میں جو وقت بتایا گیا تھا اُس کا آخری زمانہ مارچ 1949ء ہے۔ مارچ 1944ء میں مَیں نے ایک رؤیا دیکھا جبکہ بعض لوگ میرے متعلق ایسی خبریں شائع کر رہے تھے اور کچھ احمدی دوست بھی نہ معلوم کن اثرات کے ماتحت یہ خوابیں دیکھ رہے تھے کہ میری زندگی کے دن ختم ہو رہے ہیں۔ ان حالات کی وجہ سے جب مَیں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تو مجھے ایک نظارہ دکھایا گیا کہ ایک سمندر ہے اور اس میں کچھ بوائے (Buoy) ہیں۔ بوائے انگریزی کا لفظ ہے اور چونکہ یہ صنعتی شے ہے اس لیے اردو زبان میں اِس کا کوئی ترجمہ نہیں۔ یہ بوائے ڈھول سے ہوتے ہیں جنہیں آہنی زنجیروں سے سمندر میں چٹانوں کے ساتھ باندھا ہوتا ہے اور وہ سمندر میں تیرتے پھرتے ہیں۔ اور جو جہاز وہاں سے گزرتے ہیں ان کو دیکھ کر جہاز ران یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ اس بوائے سے چٹان قریب ہے اور اس سے بچ کر چلنا چاہیے اور اگر سمندر کے اندر چٹانوں کا نشان بتانے کے لیے بوائے نہ لگے ہوئے ہوں اور جہاز آ جائے تو جہاز کے چٹان سے ٹکرا کر ڈوب جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ بعض جہاز ایسے ہوتے ہیں جو پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ فٹ پانی کے اندر ہوتے ہیں بوجہ اپنے سائز کے یا بوجہ بوجھ کے یا بعض بوجہ اپنی ساخت کے۔ اور اگر چٹان پانی کی سطح سے پندرہ یا بیس فٹ نیچے ہو تو ایسے جہاز چٹان کا نشان نہ ہونے کی وجہ سے چٹان سے ٹکرا کر ڈوب جاتے ہیں۔ پس جہاز کو ہوشیار کرنے کے لیے اور اُسے اطلاع دینے کے لیے کہ اس جگہ چٹان ہے متمدن حکومتیں اپنے اپنے سمندری علاقوں میں لوہے کے بنے ہوئے بوائے زنجیروں کے ذریعہ چٹانوں کے ساتھ باندھ دیتی ہیں۔ اُن کا رنگ سرخ ہوتا ہے اور وہ ہر وقت پانی کی سطح پر تیرتے رہتے ہیں اور اُن کو دیکھ کر جہاز والے یہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہاں خطرہ ہے اور وہ اُس جگہ سے جہاز کو بچا کر لے جاتے ہیں۔ تو مَیں نے دیکھا کہ سمندر میں اِسی قسم کے بوائے لگے ہوئے ہیں اور ان کی زنجیریں بہت لمبی ہیں اور دور تک چلی جاتی ہیں۔ خواب میں مَیں خیال کرتا ہوں کہ اِس بوائے کا تعلق میری ذات سے ہے اور تمثیلی رنگ میں وہ بوائے مَیں ہی ہوں

اور مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ نظارہ پانچ سال کے عرصہ سے تعلق رکھتا ہے۔ تب مَیں نے سمجھا کہ آئندہ پانچ سال کے اندر کوئی اہم واقعہ اسلام کے متعلق پیش آنے والا ہے اور گویا مسلمانوں کو اُس آفت سے بچانے کے لیے مَیں بطور بوائے ہوں۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بھی بتایا کہ جب تک وہ واقعہ پیش نہ آئے مجھے زندہ رکھا جائے گا۔ اِس رؤیا کے پورا ہونے کا ایک پہلو تو یہ بھی نظر آتا ہے کہ ہمارا ملک اس عرصہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے آزاد ہو چکا ہے اور ایسے حالات میں آزاد ہوا ہے جن کی موجودگی میں آزادی مل جانا خلافِ توقع تھا اور کسی کو یہ وہم بھی نہیں گزر سکتا تھا کہ اتنی جلدی ہمارا ملک آزاد ہو جائے گا۔ پھر آزادی ملنے کے ساتھ ہی ایسے واقعات بھی رونما ہوئے جو آج سے تھوڑا عرصہ پہلے کسی کے خیال میں بھی نہ تھے۔ مسلمانوں پر ایک بہت بڑی تباہی آئی اور بہت بڑی آفت کا انہیں سامنا کرنا پڑا۔ گو یہ تباہی ہندوؤں پر بھی آئی مگر اس زمانہ میں جب مجھے یہ رؤیا دکھایا گیا تھا کسی شخص کے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتا تھا کہ ہمارے ملک میں اتنا بڑا اور عدیم المثال تغیر آئے گا اور ہمارا ملک چند سالوں کے اندر اندر آزادی حاصل کر لے گا اور وہ آزادی ایسی ہوگی جو اپنے ساتھ بہت سی تاریکیاں اور ظلمتیں بھی رکھتی ہوگی۔

اِس رؤیا کے ساتھ ایک اَور رؤیا بھی تھی جس کے متعلق مجھے تو کچھ یاد نہ تھا لیکن آج کے اخبار الفضل میں مجھے ایک شخص کا مضمون پڑھ کر وہ رؤیا یاد آ گئی۔ اس رؤیا میں ایک مضمون بار بار مجھ پر نازل ہوا۔ وہ پورا مضمون تو مجھے یاد نہیں مگر اِتنا یاد ہے کہ اس میں بار بار بیالیس اور اَڑتالیس کا لفظ آتا تھا۔ بیالیس کی تعبیر تو میری سمجھ میں نہیں آئی۔ شاید بیالیس سے مراد 1942ء ہی ہو جیسا کہ مَیں نے رؤیا کی تعبیر کرتے وقت خطبہ میں بھی بیان کیا تھا۔ کیونکہ 1942ء میں جمعوں کے متواتر ایسے اجتماع ہوئے جو اسلام کی ترقی کی طرف توجہ دلاتے تھے۔☆ بہرحال اڑتالیس کا لفظ پنج سالہ زمانہ کی طرف توجہ دلاتا تھا۔ یہ رؤیا مَیں نے مارچ 1944ء میں دیکھی تھی اور یہ پنج سالہ زمانہ مارچ 1949ء میں ختم ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ مَیں نے پہلے بھی کئی بار بتایا ہے رؤیا کی تعبیر میں اگر پورا سال ہو تو اُس کی کسر بھی

☆ خطبہ کے بعد ایک دوست نے خط لکھا کہ شاید 42 سے مراد اوپر کی رؤیا کی طرف توجہ دلانا مقصود ہو اور بتایا گیا ہو کہ 42 میں پانچ سال جمع کیے جائیں تو یہ واقعہ ظاہر ہوگا یعنی 1947ء اور 1948ء میں اللہ تعالیٰ اس تباہی سے بچنے کے سامان پیدا کرے گا۔

ساتھ ہی شامل ہوتی ہے۔ اِس لیے ممکن ہے کہ پانچ سال کی کسر بھی یعنی چھ ماہ اَور ملا کر یہ پانچ سالہ زمانہ اکتوبر 1949ء تک ہو۔ بہرحال زیادہ سے زیادہ مدت 1949ء کے آخر تک ہے۔ اور اگر پورے پانچ سال ہوں تو یہ زمانہ مارچ 1949ء میں ختم ہوتا ہے۔ گویا 25 مارچ 1948ء کے بعد پانچواں سال شروع ہو جائے گا۔ پس یہ سال اپنے اندر بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے اِس لیے اللہ تعالیٰ کے حضور ہمیں یہ دعائیں کرنی چاہیں کہ اِس سال میں جو تغیرات رونما ہوں وہ ہمارے لیے، اسلام کے لیے اور مذہب کی حقیقی روح کے لیے بابرکت ثابت ہوں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ہر نیا سال شروع ہونے پر لوگ نئے ارادے، نئی اُمنگیں اور نئی امیدیں لے کر کھڑے ہوتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن کے ارادے، امنگیں اور امیدیں اِس سال کے پہلے مہینے میں ہی ختم ہو جاتے ہیں اور اُنہیں یاد تک نہیں رہتا کہ ان کی اُمنگیں اور امیدیں کیا تھیں۔ ایسے لوگ گھاس کی اُن پتیوں کی طرح ہوتے ہیں جنہیں ہوا کے جھونکے کبھی دائیں سے بائیں اور کبھی بائیں سے دائیں اُڑاتے پھرتے ہیں۔ پھر ایسے لوگوں میں سے جو نیا سال چڑھنے پر نیا نیا جوش اور نئے نئے ولولے اپنے دلوں میں لے کر کھڑے ہوتے ہیں اکثر ایسے ہوتے ہیں جو باوجود ارادوں کے، باوجود اُمنگوں کے اور باوجود امیدوں کے عملی اقدام سے دور رہتے ہیں اور دنیا کے تغیرات میں حصہ نہیں لیتے۔ اُن کے وجود ایسے درختوں اور ایسے چھوٹے چھوٹے پودوں کی مانند ہوتے ہیں جو پہاڑوں پر اُگتے ہیں اور بڑھتے ہیں۔ مگر تُند ہوائیں اُنہیں اُکھاڑ کر پھینک دیتی ہیں اور پھر وہ یا تو آندھیوں میں اُڑتے پھرتے ہیں یا پانی انہیں اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا ہے۔ گویا ایسے لوگوں کی زندگی اور موت بے حقیقت ثابت ہوتی ہے۔ مگر اِن تھک جانے والوں اور تھوڑا سا چل کر ہمت ہار بیٹھنے والوں کے علاوہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے ارادوں کو پورا کرنے کی توفیق پاتے ہیں اور تھک کر ہار جانے یا ہمت ہار بیٹھنے کے نام سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اولوالعزمی کے ساتھ کامیابی کے مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو باقی دنیا کے لیے ستون ثابت ہوتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی کامرانیوں سے دوسری دنیا سُکھ پاتی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کر لیتے ہیں۔ ہمارے لیے بھی یہ سال نئی اُمنگوں اور نئی اُمیدوں کا ہوسکتا ہے اور ہوا ہے۔ یعنی ہمارا ملک آزاد ہو گیا ہے۔ مگر جس طرح دوسرے لوگوں کی اُمنگیں ہوں گی ہماری اُس طرح نہیں کیونکہ ہمارے

لیے صرف ایک ہی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس مقصد کو پورا کرے جس کے لیے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا تھا۔ اِس لیے جب تک ہمارا یہ مقصد پورا نہیں ہو جاتا اُس وقت تک ہر نیا سال ہمارے لیے دکھ پیدا کرنے کا موجب ہوگا۔ لیکن اگر ہم ہر سال اِس کام کی کچھ نہ کچھ کوشش کر لیں تو ہر نیا سال ہمارے لیے رحمت اور برکت لانے کا موجب ہوگا۔ پس ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہم آنے والے سال کے لیے اپنے آپ کو بابرکت بنائیں۔ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ ہر ارادہ کو پورا کرنے کے لیے کوئی کام کرنا پڑتا ہے اور ہر کام کے کرنے کے لیے کوئی تدبیر کرنی پڑتی ہے۔ ہمارے اِس ارادے اور کام کی تکمیل کے لیے بھی کچھ رستے ہیں اور کچھ تدبیریں ہیں۔ جب تک ہم اُن رستوں پر گامزن نہیں ہو جاتے اور جب تک ہم اُن تدابیر پر غور نہیں کرتے ہمیں کامیابی کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ ہمارے اِس کام سے تعلق رکھنے والی سب سے اہم چیز تعلق باللہ ہے۔ اِس لیے جب تک ہم اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا نہیں کرتے اور جب تک ہم اُس کے فضلوں کو جذب کرنے کے قابل نہیں بن جاتے اُس وقت تک یہ عظیم الشان کام سرانجام دینا ہماری طاقت سے بالا ہے۔

پس ہمیں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے اور اس تعلق کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت کے اندر اکثر لوگ ایسے ہیں جن کو تعلق باللہ مضبوط کرنے کی طرف بہت کم توجہ ہے۔ وہ فکری احمدی تو ہیں قلبی احمدی نہیں۔ اُن کے دماغ تو بے شک تسلی پا گئے ہیں مگر اُن کے دلوں کے اندر خدا تعالیٰ کے لیے عشق پیدا نہیں ہوا۔ حالانکہ بغیر عشق کے اور بغیر جذبات کی فراوانی کے کوئی چیز حاصل نہیں ہوسکتی۔ پس مَیں جماعت کے دوستوں کو اِس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے اندر عشق پیدا کریں اور اپنے عشق کے جذبات کو اتنا اُبھاریں کہ خدا تعالیٰ کی محبت اُن کی طرف کھنچتی چلی آئے۔

میری عمر اُس وقت چھوٹی تھی جب کہ مَیں نے ایک رؤیا دیکھی۔ (یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کی بات ہے۔ جب آپؑ فوت ہوئے۔ اُس وقت میری عمر 19 سال تھی اور یہ رؤیا جس کا مَیں ذکر کرنے لگا ہوں غالباً آپؑ کی وفات سے دو سال قبل کی ہے۔ گویا میری عمر اس رؤیا کے دیکھنے کے وقت سترہ سال کی ہوگی)۔ مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ مَیں امرتسر میں ہوں۔

(امرتسر میں ایک مجسّمہ کوئین وکٹوریہ(Queen Victoria) کا ہے۔ اُس کے گرد سنگِ مرمر کا چبوترا بنا ہوا ہے۔ کٹہرا بھی سنگِ مرمر کا ہے اور سیڑھیاں بھی سنگ مرمر کی ہیں۔ مَیں نہیں جانتا کہ گزشتہ فسادات اور لُوٹ مار کے زمانہ میں اس سنگِ مرمر کے مجسمہ کا کیا بنا۔ مگر جب ہم امن کے دنوں میں امرتسر جایا کرتے تھے تو اس مجسمہ کو دیکھا کرتے تھے) مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ ایسا ہی سنگِ مرمر کا ایک چبوترا ہے۔ اُسی طرح سنگِ مرمر کا کٹہرا ہے اور اُسی طرح سنگِ مرمر کی سیڑھیاں اوپر کو چڑھتی ہیں۔ مَیں نے دیکھا کہ سیڑھیوں پر ایک بچہ ہے جو دو یا تین سال کی عمر کا معلوم ہوتا ہے۔ وہ بچہ گُھٹنوں کے بل جُھکا ہوا ہے اور وہ اُن سیڑھیوں کی بالائی سیڑھی پر ہے۔ وہ چبوترے کے آگے اِس طرح سر جھکا کر کھڑا ہے جیسے کسی سے کوئی چیز طلب کر رہا ہے۔ یا جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کی گود میں آ کر یہ خواہش کرتا ہے کہ ماں اُس سے پیار کرے۔ وہ بچہ نہایت خوبصورت ہے اور خوبصورت لباس میں ملبوس ہے۔ جب مَیں نے اُس بچے کو دیکھا تو خواب میں مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ مسیحؑ ہے۔ اُس وقت میری نظر اوپر آسمان کی طرف اٹھی اور مَیں نے دیکھا کہ آسمان پھٹا ہے اور اُس پھٹی ہوئی جگہ میں سے ایک نوجوان عورت جس کی عمر بیس یا بائیس سال کی معلوم ہوتی ہے اور اُس کا خوبصورت رنگ آنکھوں کو خیرہ کیے دیتا ہے نیچے اُترنا شروع ہوئی۔ اُس عورت کے پَر بھی ہیں جیسے عام طور پر قصے کہانیوں میں پریوں کے بیان کیے جاتے ہیں۔ وہ عورت جُوں جُوں نیچے کو اُترتی ہے، اپنے پروں کو ہلاتی ہے گویا وہ اُس بچے کو اپنے پروں میں لے لینا چاہتی ہے۔ اُس وقت مَیں نے سمجھا کہ یہ عورت مریم ہے۔ اور معاً میری زبان پر جاری ہوا کہ ''لَوْ کری ایٹس لَوْ''(Love creates love) محبت محبت پیدا کرتی ہے۔

پس اِس رؤیا کے ذریعہ مجھے بتایا گیا کہ ہر انسان اپنے اندر مسیحی صفت رکھتا ہے اور خدا تعالیٰ اُس کے ساتھ مریمی رنگ میں محبت کرتا ہے۔ جب کسی انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت موجزن ہوتی ہے اور جب انسان اپنے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت کی سوزش اور جلن محسوس کرتا ہے تو یہ سوزش اور جلن بغیر جواب کے نہیں رہتی۔ بلکہ آسمان پر خدا تعالیٰ کے دل میں بھی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جیسے ایک محبت کرنے والی ماں اپنے بچے کی آواز پر دوڑتی ہے اسی طرح خدا تعالیٰ بھی اپنے بندے کی محبت کا جواب محبت میں دینے کے لیے دوڑتا ہے اور آ کر اُسے پیار کرتا ہے۔ پس اگر ان محبت کے تعلقات میں کوئی کوتاہی ہوتی ہے تو بندے کی طرف سے ہوتی ہے اور اگر کوئی غفلت یا سُستی ہوتی ہے تو وہ بھی

بندے کی طرف سے ہی ہوتی ہے۔ ورنہ خدا تعالیٰ ایک محبت کرنے والی ماں سے بھی بڑھ کر چاہتا ہے کہ اپنے بندوں سے پیار کرے۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنے بندوں سے محبت کا سلوک کرے اور وہ چاہتا ہے کہ اپنے بندے کو اپنی محبت بھری گود میں اٹھا کر اُسے تسلی دے۔ لیکن انسان! وہ انسان جو مصائب میں مبتلا ہوتا ہے، وہ انسان جو آلام کے بوجھ کے نیچے ہوتا ہے، وہ انسان جو ہر وقت محتاج ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اُس کی مدد کرے اور اُسے ان مصائب و آلام سے نجات بخشے اور وہ انسان جو ہر وقت محتاج ہوتا ہے اِس بات کا کہ کوئی اُس کا سہارا بنے اور اُسے تسلی دے وہ محتاج اور کمزور انسان مستغنی بنا رہتا ہے۔ مگر وہ مستغنی خدا عرش پر بے تاب رہتا ہے اِس بات کے لیے کہ اُس کا بندہ اُس کی طرف آئے۔ پس اپنے قلوب کے اندر نمایاں تغیر پیدا کرو اور خدا تعالیٰ سے محبت پیدا کر کے اُس سے مدد مانگو اور دکھ درد، رنج و غم اور مصائب و آلام کے وقت اُسے پکارو۔ کیونکہ ہمارا حق ہے کہ اُس کی مدد چاہیں۔ یاد رکھو! خدا تعالیٰ ہمارا محتاج نہیں بلکہ ہم اُس کے محتاج ہیں۔ اگر مسلمانوں کے اندر وہی جذبات ہوتے اور اگر ان کے اندر وہی پیار، محبت اور اتحاد ہوتا جو صحابہؓ میں تھا تو جو کچھ گزشتہ ایام میں ہوا اور آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سُنا وہ کبھی نہیں ہوسکتا تھا۔ ہماری کوتاہیوں، ہماری غفلتوں اور ہماری سُستیوں نے یہ بدانجام دکھایا۔ اور اب ہماری اصلاح ہی ہمیں اِس بدانجام سے محفوظ کر سکتی ہے۔ اور ہماری اصلاح نہیں ہوسکتی جب تک ہم خدا تعالیٰ کی محبت کو اپنے اندر جذب نہیں کر لیتے۔

اب مَیں وہ طریق بیان کرتا ہوں جن سے خدا تعالیٰ کی محبت کو جذب کیا جاسکتا ہے۔ اِس کا سب سے پہلا طریق تو نماز ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز پڑھنے والا خدا تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے۔ اور نماز ایک ایسی چیز ہے جیسے کوئی ایک دوسرے سے باتیں کرتا ہے۔ اور نماز کی کیفیت بھی بتاتی ہے کہ وہ کسی عظیم الشان ہستی کے ساتھ باتیں کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ جب ہم نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سب سے پہلے ہم کہتے ہیں اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ ایک ہندوستانی پر شاید یہ امر واضح نہ ہو سکے مگر عربی جاننے والے جانتے ہیں کہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کسی عظیم الشان نظارہ کے دیکھنے کے وقت کہا جاتا ہے۔ یعنی جب کبھی عرب کے لوگ کوئی پُر رعب اور پُر ہیبت نظارہ دیکھتے ہیں تو وہ کہتے ہیں اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ یا یوں سمجھ لو کہ جب ہم کوئی اِس قسم کا نظارہ دیکھتے ہیں تو بے اختیار ''اُف'' کا لفظ ہمارے منہ سے نکل جاتا ہے اور ہم کہہ اُٹھتے ہیں اُف! کیسا شاندار نظارہ ہے۔ اِسی طرح جب عرب کے

لوگ کوئی عجیب وغریب نظارہ دیکھتے ہیں تو وہ بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ پس جب ایک نمازی نماز کے لیے کھڑا ہوتے وقت اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا ہے تو اس کا مطلب دوسرے الفاظ میں یہ ہوتا ہے کہ مَیں جو نظارہ دیکھنے لگا ہوں یعنی خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے لگا ہوں اِس نظارہ کی مجھے امید بھی نہ ہوسکتی تھی کیونکہ خدا تعالیٰ تو وراء الوراء ہستی ہے۔ خدا تعالیٰ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ 1 یعنی انسان کی آنکھیں خدا تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتیں مگر جب وہ اپنے آپ کو انسان پر منکشف کر دیتا ہے تو انسان اُسے دیکھ سکتا ہے۔ پس جب ہم نماز شروع کرتے وقت اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہیں تو گویا ہم یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اُف! ہم یہ کیا چیز دیکھ رہے ہیں جس کے دیکھنے کی ہمیں امید ہی نہ تھی اور ہمارے اندر اس کے دیکھنے کی طاقت ہی نہ تھی۔ پھر جب ہم اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ چکتے ہیں تو گویا ہم غائب ہو جاتے ہیں اِس دنیا سے، غائب ہو جاتے ہیں دوستوں، رشتہ داروں سے اور غائب ہو جاتے ہیں خویش و اقرباء سے۔ حتّٰی کہ ہم کسی دوست یا رشتہ دار کے سلام کا جواب نہیں دیتے اور کسی چھوٹے یا بڑے کی گفتگو کے جواب میں گفتگو نہیں کرتے۔ اور ہم گویا تمثیلی طور پر اِس دنیا سے غائب ہو جاتے ہیں۔ اور جب ہم نماز کو ختم کرتے ہیں تو جیسے باہر سے آنے والا کوئی شخص کہتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ۔ اِسی طرح ہم بھی دائیں کو منہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اور بائیں کو منہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ۔ گویا ہم کہیں باہر گئے ہوئے تھے اور اب واپس آئے ہیں۔ پس اَللّٰہُ اَکْبَرُ سے شروع ہونے والے نظارہ کے وقت ایک مسلمان یہ اعتراف کرتا ہے کہ مَیں اب دنیا سے غائب ہو گیا ہوں اور اب مَیں ایسا نظارہ دیکھ رہا ہوں جو مَیں دنیا میں رہ کر نہ دیکھ سکتا تھا اور مَیں اس نظارہ کی وجہ سے محو اور سرشار ہو گیا ہوں اور یہ محویت اس قدر ہے کہ مَیں کسی اَور سے بات کرنا بھی نہیں چاہتا۔ پھر جب وہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو مسلمان اپنے آپ کو واپس اِس دنیا میں پا کر کہتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ۔ یعنی وہ کہتا ہے کہ مَیں خدا تعالیٰ کے دربار میں گیا ہوا تھا اور اب اپنا کام کر کے واپس آ رہا ہوں۔ پس نماز خدا تعالیٰ سے باتیں کرنے کا ذریعہ ہے اور اسلام میں سب ارکان سے مقدم اور اہم ہے۔ اس لیے مَیں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ ہمارے لیے سب سے مقدم چیز یہ ہے کہ ہم نمازوں کے پابند ہوں کیونکہ تعلق باللہ کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ نماز کی پابندی کئی رنگ کی ہوتی ہے:-

سب سے پہلا درجہ جس سے اُتر کر اور حقیر اَور کوئی رنگ نہیں یہ ہے کہ انسان بالالتزام پانچوں وقت کی نمازیں پڑھے۔ جو مسلمان پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتا ہے اور کبھی ناغہ نہیں کرتا وہ ایمان کا سب سے چھوٹا درجہ حاصل کرتا ہے۔

دوسرا درجہ نماز کا یہ ہے کہ پانچوں نمازیں وقت پر ادا کی جائیں۔ جب کوئی مسلمان پانچوں نمازیں وقت پر ادا کرتا ہے تو وہ ایمان کی دوسری سیڑھی پر قدم رکھ لیتا ہے۔

پھر تیسرا درجہ یہ ہے کہ نماز باجماعت ادا کی جائے۔ باجماعت نماز کی ادائیگی سے انسان ایمان کی تیسری سیڑھی پر چڑھ جاتا ہے۔

پھر چوتھا درجہ یہ ہے کہ انسان نماز کے مطالب کو سمجھ کر نماز ادا کرے۔ جو شخص ترجمہ نہیں جانتا وہ ترجمہ سیکھ کر نماز پڑھے اور جو شخص ترجمہ جانتا ہو وہ ٹھہر ٹھہر کر نماز کو ادا کرے۔ یہاں تک کہ وہ سمجھ لے کہ مَیں نے نماز کو کَمَا حَقُّہٗ ادا کیا ہے۔

پھر پانچواں درجہ نماز کا یہ ہے کہ انسان نماز میں پوری محویت حاصل کرے اور جس طرح غوطہ زن سمندر میں غوطہ لگاتے ہیں اُسی طرح وہ بھی نماز کے اندر غوطہ مارے۔ یہاں تک کہ وہ دو میں سے ایک مقام حاصل کر لے۔ یا تو یہ کہ وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو اور یا یہ کہ وہ اِس یقین کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو کہ خدا تعالیٰ اُسے دیکھ رہا ہے۔ اِس مؤخر الذکر حالت کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی اندھا بچہ اپنی ماں کی گود میں بیٹھا ہو۔ اپنی ماں کی گود میں بیٹھے ہوئے اُس بیٹے کو بھی تسلی ہوتی ہے جو بینا ہو اور اپنی ماں کو دیکھ رہا ہو۔ مگر ماں کی گود میں بیٹھے ہوئے اُس بیٹے کو بھی تسلی ہوتی ہے جو نابینا ہو۔ اِس خیال سے کہ اُس کی ماں اُسے دیکھ رہی ہے۔ گو وہ نابینا ہوتا ہے اور اپنی ماں کو نہیں دیکھ سکتا مگر اُس کا دل مطمئن اور تسلی یافتہ ہوتا ہے۔ صرف اِس لیے کہ اُسے یہ یقین ہوتا ہے کہ اُس کی ماں اُسے دیکھ رہی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز پڑھتے وقت بندے کو ایک مقام ضرور حاصل ہونا چاہیے۔ یا تو یہ کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہو۔ یا یہ کہ اُس کا دل اِس یقین سے لبریز ہو کہ خدا تعالیٰ اُسے دیکھ رہا ہے۔[2] یہ ایمان کا پانچوں مقام ہے اور اِس مقام پر بندے کے فرائض پورے ہو جاتے ہیں۔ مگر جس بامِ رفعت پر اُسے پہنچنا چاہیے اُس پر نہیں پہنچ سکتا۔

اِس کے بعد چھٹا درجہ ایمان کا یہ ہے کہ نوافل پڑھے جائیں۔ یہ نوافل پڑھنے والا گویا خدا تعالیٰ

کے حضور یہ ظاہر کرتا ہے کہ مَیں نے فرائض کو تو ادا کر دیا ہے مگر ان فرائض سے میری تسلی نہیں ہوئی اور وہ کہتا ہے کہ اے خدا! مَیں چاہتا ہوں کہ مَیں ان فرائض کے اوقات کے علاوہ بھی تیرے دربار میں حاضر ہوا کروں۔ جیسے کئی لوگ جب کسی اعلیٰ افسر یا بزرگ کی ملاقات کو جاتے ہیں تو وہ مقررہ وقت گزر جانے پر کہتے ہیں دو منٹ اَور دیجیے۔ اور وہ ان مزید دو منٹوں میں لذت محسوس کرتے ہیں اور وہ ان دو منٹوں کو چٹّی نہیں سمجھتے بلکہ اُن سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اِسی طرح ایک مومن جب فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل پڑھتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ سے کہتا ہے کہ اب مَیں اپنی طرف سے کچھ مزید وقت حاضر ہونا چاہتا ہوں۔

ساتواں درجہ ایمان کا یہ ہے کہ انسان نہ صرف پانچوں نمازیں اور نوافل ادا کرے بلکہ رات کو بھی تہجد کی نماز پڑھے۔ یہ وہ سات درجات ہیں جن سے نماز مکمل ہوتی ہے اور اِن درجات کو حاصل کرنے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ رات کے وقت عرش سے اُترتا ہے اور اُس کے فرشتے پکارتے ہیں اے بندو! خدا تعالیٰ تمہیں ملنے کے لیے آیا ہے۔ اُٹھو! اور اُس سے مل لو۔3

پس اِن سات درجوں کو پورا کرنا ہم میں سے ہر ایک احمدی کا فرض ہے۔ ہماری جماعت چونکہ ایک مامور کی جماعت ہے اِس لیے ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ نماز کا پابند ہو۔ ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ نمازوں کو وقت پر ادا کیا کرے۔ یا ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ نماز باجماعت ادا کیا کرے، ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ نماز کو سوچ سمجھ کر اور ترجمہ سیکھ کر ادا کرے، ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ علاوہ فرض نمازوں کے رات اور دن کے نوافل بھی پڑھا کرے اور ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ نماز کے اندر محویت پیدا کرے اور اِتنی محویت پیدا کرے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مطابق یا تو وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو یا وہ اپنے دل میں یہ یقین رکھتا ہو کہ خدا تعالیٰ اسے ضرور دیکھ رہا ہے۔ پھر ہم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ فرائض اور نوافل دن کو اور رات کو اس التزام اور باقاعدگی سے ادا کرے کہ اُس کی راتیں دن بن جائیں۔ اِسی طرح تہجد کی مناجات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے۔ جب تک ہم وہ طریق استعمال نہیں کریں گے جن سے ہم خدا تعالیٰ کی محبت کو جذب کر سکیں اُس وقت تک یہ امید کرنا کہ ہم دنیا میں

کامیاب ہو جائیں گے وہم اور عبث خیال ہے کیونکہ وہ عظیم الشان کام جو ہمارے سپرد ہے بہت بڑا ہے۔ لوگ تو چھوٹی چھوٹی چیزیں پا کر ہی خوش ہو جایا کرتے ہیں۔ کوئی اچھی تجارت کر کے خوش ہو جاتا ہے، کوئی اچھی نوکری مل جانے پر خوشیاں مناتا ہے مگر مومن سوائے خدا تعالیٰ کی ذات کے مل جانے کے اَور کسی چیز میں تسلی نہیں پاتا۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ چھوٹے بچے بعض اوقات آسمان کی چیزیں مانگتے ہیں۔ خود میرے متعلق ہی حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی ایک روایت ہے کہ مَیں جب چھوٹا سا تھا تو ایک دفعہ کسی بات پر چِڑ گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے اُٹھا لیا اور بہلانے لگے۔ مَیں جب ذرا چُپ ہوا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِس خیال سے کہ اب یہ بالکل چُپ ہو جائے گا آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے کہا محمود! وہ دیکھو چاند۔ مَیں نے چاند کو دیکھ کر شور مچانا شروع کر دیا کہ مَیں نے چاند لینا ہے۔4 بچوں کی اِس قسم کی چِڑ سے پتہ لگتا ہے کہ وہ بعض اوقات ایسی چیزیں مانگ بیٹھتے ہیں جن کا میسر آنا ناممکن ہوتا ہے۔ مگر ایک مومن کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے مَیں نے خدا لینا ہے۔ پس جب تک تم یہ خدا لینے والا جذبہ اپنے اندر پیدا نہیں کر لیتے تب تک تمہارے ایمان کامل نہیں ہو سکتے اور تمہارے کوئی کام کر دکھانے کے دعوے عبث اور فضول ہیں۔

یاد رکھو! جب مومن کو اُس کا محبوب مل جاتا ہے تو ساری دنیا اُس کے تابع ہو جاتی ہے اور ساری دنیا اُس کے پیچھے پیچھے کھنچی چلی آتی ہے۔ جس کام کو تم نے اختیار کیا ہے وہ تمہاری کوششوں اور تمہاری عقلوں اور تمہاری تدبیروں سے نہیں ہو سکتا۔ وہ صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ خود آسمان سے اُترے اور تمہاری مدد کرے۔ مگر اُس کے آسمان سے اُترنے کا ذریعہ صرف یہی ہے کہ نمازیں پڑھو اور دعائیں کرو اور رات کی تاریکیوں میں چِلّاؤ اور اُس کے حضور اِتنا گڑگڑاؤ کہ اُس کی محبت جوش میں آ جائے اور وہ آسمان سے اُتر کر تمہیں تسلی دے کہ جب مَیں تمہارے ساتھ ہوں تو تمہیں کس بات کا غم ہے۔

دو تین دن کی بات ہے کہ مجھے الہام ہوا جس کی عبارت کچھ اِس قسم کی تھی اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ ۔ اِس سے آگے کی عبارت یاد نہیں رہی۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنہی کی دعائیں قبول کرتا ہے جو... مَیں سمجھتا ہوں کہ اِس سے آگے کی عبارت وہی ہے جو آج مَیں نے اپنے خطبہ میں

بیان کی ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ اُنہی کی دعائیں قبول کرتا ہے جو اُس کی محبت کو جذب کر لیتے ہیں۔ اِسی طرح آج سورہ الرحمان کی بہت سی آیتیں متواتر میری زبان پر جاری ہوئیں۔ جن میں سے کچھ تو مجھے یاد نہیں رہیں مگر یہ فقرہ جو بار بار جاری تھا مجھے یاد ہے کہ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۔5 اِس کے علاوہ فِیۡہِمَا عَیۡنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ 6 کے لفظ بھی یاد ہیں اور بھی بعض آیتوں کے لفظ یاد تھے مگر وہ جاگنے کی حالت میں بھول گئے۔ وہ آیتیں یاد نہیں رہیں۔ شاید قرآن کریم پڑھنے سے یاد آ جائیں گی مگر فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ بار بار جاری ہوتا رہا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اِس میں اِسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ تو انسان کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے معمور کرنا چاہتا ہے مگر انسان اپنی غفلتوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے اُس انعام سے محروم رہ جاتا ہے اور اُس کو ضائع کر دیتا ہے۔ پس ہماری جماعت کے دوستوں کو چاہیے کہ اگر اُنہیں پچھلے سال خدا تعالیٰ کی محبت حاصل نہیں ہو سکی تو وہ اَب حاصل کرنے کی کوشش کریں کیونکہ اسلام کی فتح کا دن قریب سے قریب تر آتا جا رہا ہے"۔

(الفضل 4 فروری 1948ء)

---

1 : الانعام: 104

2 : بخاری کِتَاب الایمان بَاب سُؤَالِ جِبْرِیلَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْإِیمَانِ وَالْإِسْلامِ وَالاِحْسَانِ

3 : بخاری کتاب التہجد بَابُ الدُّعَاءِ وَالصَّلَاةِ مِنْ آخِرِ اللَّیْلِ

4 : سیرت مسیح موعود از حضرت مولوی عبدالکریم صاحب صفحہ 37۔ ''چاند لینا ہے'' کی بجائے ''تارے جانا ہے'' کے الفاظ ہیں۔

5 : الرحمٰن: 14

6 : الرحمٰن: 67